مولانا محمد جعفر پھلواروی

امام و خطیب اور کسب معاش

انسان کتنا ہی بلند فکر، کتنا ہی خدا رسیدہ اور کتنا ہی خدمت گذار علم ہو لیکن وہ مادی و معاشی ضروریات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ غذا، لباس، مکان ایسی بنیادی ضروریات ہیں۔ جن سے انبیاء علیہم السلام بھی بے نیاز نہیں تھے انسان درخت نہیں جس کے پاس رزق خود پہنچ جائے۔ وہ پرندہ یا درندہ بھی نہیں کہ اپنی پسند کی جو چیز جہاں دیکھے اس پر جھپٹ پڑنا روا ہو۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس کی روزی کے لیے صرف اپنی پسند کافی نہیں۔ اسے دوڑ دھوپ کے ساتھ یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ انسانیت اسے حاصل کرنے کی اجازت بھی دیتی ہے یا نہیں، نیز اس کے حصول کا ذریعہ بھی اخلاقی ضابطے کے اندر ہے یا نہیں؟ ان پابندیوں کے ساتھ زندگی قائم رکھنے کے لیے حصول رزق کا جو ذریعہ اختیار کیا جائے وہ صحیح کسب معاش ہے۔

کسبِ معاش کے لئے شرائط

اہل علم خواہ وہ مفتی ہوں یا امام و خطیب، مصنف ہوں یا محقق، جو کچھ بھی ہوں ضروریاتِ زندگی کے وہ بھی مستحق ہیں۔ اور یہ سوال کہ ان کا ذریعہ معاش کیا ہو؟ اپنی جگہ ایک بڑا اہم سوال ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس سوال کے جواب کے لیے چند نکات پیش نظر رکھنا ضروری ہے:۔

۱۔ کسب و عمل کا اسلامی اقدار کی رُو سے کیا درجہ ہے؟

۲۔ ہم کسبِ معاش کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

۳۔ کیا اہل علم اپنے علمی مشاغل کے ساتھ کسبِ معاش کو جاری رکھ سکتے ہیں؟

۴۔ موجودہ دَور میں اہل علم کے لیے کس نوع کا کسبِ معاش مناسب ہو سکتا ہے؟

جواب از روئے قرآن یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں کسی معاملے کا انحصار محض عقیدہ و ایمان پر نہیں رکھا گیا ہے۔ امنوا کے ساتھ ہر جگہ عملوا الصّالحٰت کی قید لگی ہوئی ہے اور نتیجہ و جزا کا سارا دارومدار عمل و کسب پر رکھا گیا ہے۔ صاف لفظوں میں قرآن نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ لیس للانسان الا

ما سعیٰ۔ انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو وہ کوشش کرتا ہے یعنی نیکی ہو یا بدی۔ یہ سب کچھ انسان کی اپنی سعی و کوشش کا نتیجہ ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوشش غلط ہو اور نتیجہ صحیح نکلے یا کوشش بالکل نہ ہو اور ثمرہ اپنی خواہش کے مطابق نکلے۔ اس کلیے کو محض آخرت کے معاملات سے وابستہ کرنا صحیح نہیں۔ دنیوی زندگی میں بھی یہی کلیہ کارفرما ہے اور دنیا کی زندگی آخرت کی زندگی سے کچھ الگ شے نہیں۔ زندگی ایک جوئے رواں ہے اور دنیاوی زندگی اسی کا ایک حصہ ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ دنیا دین سے کوئی علیحدہ چیز نہیں بلکہ اسی دنیا کو خدا کی مرضی کے مطابق چلانے کا نام دین ہے اسی طرح دنیا بھی آخرت سے الگ شے نہیں بلکہ اسی دنیوی زندگی کے اعمال ارتقا یافتہ شکل میں آخرت میں سامنے آئیں گے پس سعی و کوشش اور کسب و عمل کے اس قرآنی فرمان کو صرف آخرت سے وابستہ کرنا صحیح نہیں۔ اس دنیا کی زندگی میں یہی کلیہ کارفرما ہے کہ جو جیسی اور جتنی کوشش کرے گا اس کے مطابق پھل پائے گا۔ اور یہ محض انفرادی قاعدہ نہیں بلکہ ایک امت کی اجتماعی زندگی میں بھی اسی اصول کی حکمرانی ہے۔ کسب کے متعلق قرآن نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت (یعنی ہر فرد کے نیک و بد نتیجے کسب و عمل ہی سے تعلق رکھتے ہیں) وہاں اجتماعی شکل بھی بیان فرمادی ہے کہ لکم ما کسبتم۔ یعنی تمہارے کسب ہی کے مطابق تمہارا مفاد ظاہر ہوگا۔

کسب اور توکّل

کسب یا سعی میں صرف نماز روزہ ہی داخل نہیں۔ معاش کا حصول اور اس کے تمام طریقے بھی کسب و سعی ہی میں داخل ہیں اور جس طرح نماز، روزہ عبادت ہے اسی طرح حلال کسب معاش بھی عبادت ہے مشکل یہ ہے کہ انسانی قدریں اس طرح الٹ گئی ہیں کہ عیب ہنر اور ہنر عیب ہو گیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں اگر کوئی شخص بے کار بیٹھا رہے، محنت سے جی چرائے اور دوسروں کی کمائی پر پڑا رہے تو اسے "متوکل" کا لقب دیتے ہیں ؎

ہم جو بیٹھیں تو نکھٹو کہلائیں — شیخ بیٹھے تو توکّل ٹھہرے

حقیقت یہ ہے کہ بے کاری، بے عملی اور ترک سعی و کوشش کا نام توکل نہیں۔ توکل کہتے ہیں خدا کے بھروسے کام کرنے کو یعنی ایک طرف اَن تھک کوشش و سعی ہو، اور دوسری جانب یقین و امید خیر کے ساتھ نتیجے کو خدا پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر کوئی شخص وظائف زوجیت نہ ادا کرے اور خوب گریہ وزاری اور توکل کرکے

اولاد ہونے کی دعائیں کرتا رہے تو ہم پورے ایمان کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس کی دُعا ساری عمر کبھی قبول نہ ہوگی کیوں کہ تدبیر دعا کے مطابق نہیں۔ یہ توکل نہیں بلکہ فریبِ نفس ہے اسی طرح کسب و محنت کے بغیر دوسروں کے نذرانے اور داد و دہش پر زندگی گزارنا توکل نہیں۔ یہ فقر و تصوف کا سراسر غلط استعمال ہے. اقدار کے اُلٹ جانے ہی کی وجہ سے ہم نے بعض پیشوں کو معزز اور بعض کو حقیر سمجھ لیا ہے۔ اسی غلط تصور نے یہ سوال پیدا کیا ہے کہ علما اور ائمہؑ وخطبا کا ذریعۂ معاش کیا ہو؟ گویا امامت وخطابت تو ایک معزز پیشہ ہے اور محنت مزدوری، دستکاری یا تجارت وزراعت حقیر پیشہ ہے لہٰذا معزز پیشے والا حقیر پیشہ کیسے اختیار کر سکتا ہے؛ سبحان اللہ وبحمدہ۔

ہمیں یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ جائز پیشہ کوئی بھی حقیر نہیں۔ ذلیل پیشہ دنیا میں صرف ایک ہے اور وہ ہے دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھرنا یا ہاتھ پھیلائے بغیر دوسروں کے سامنے سوالیہ نشان بنے رہنا۔ دوسرے امامت وخطابت کوئی پیشہ نہیں بلکہ ایک عام دینی ضرورت ہے۔ جب نماز با جماعت ادا کی جائے گی تو اس وقت جو امامت کے لیے زیادہ موزوں ہوگا وہ جماعت ادا کرا دے گا۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں پھیلاؤ اور وسعت پیدا ہونے کے بعد یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ خاص خاص موزوں آدمیوں کو اس فریضے کی ادائیگی کے لیے متعین کر دیا جائے، ورنہ امامت وخطابت نہ کوئی ملازمت ہے نہ پیشہ۔ اگر ایک امام وخطیب کسبِ معاش کے لیے کوئی پیشہ بھی اختیار کرے تو اسے معزز تر سمجھنا چاہیے لیکن اسلامی اقدار کے مسخ ہونے کے بعد ہم اسے ہنر کی بجائے عیب سمجھنے لگے ہیں۔

کسب کا درجہ

آئیے ذرا سنت کی روشنی میں کسب معاش کے درجے کو دیکھیں۔ صحیح بخاری میں حضرت مقدام بن معدیکرب سے حضورؐ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدیہ وان بنی اللہ داؤد کان یأکل من عمل یدیہ۔

”کوئی کھانا اس کھانے سے بہتر نہیں جو انسان اپنے ہاتھوں سے کام کر کے کھائے اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے۔“

سیدہ عائشہ کی زبانی حضورؐ کا ارشاد ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، اور نسائی میں یوں مروی ہے کہ

ان اطیب ما اکلتم من کسبکم . . . . .

بہترین کھانا وہ ہے جو خود کسب کرکے کھاؤ . . . .

یہی مضمون حضرت رافع بن خدیج سے مسند احمد، مسند بزار اور معجم طبرانی (کبیر و اوسط) میں یوں ہے:

قیل یارسول اللہ ای الکسب اطیب . قال عمل الرجل بیدہ وکل بیع مبرور

حضورؐ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ کون سا کسب سب سے زیادہ پاکیزہ ہے؟ فرمایا:

ایک تو اپنی محنت کی کمائی اور دوسرے ہر ایمان دارانہ تجارت

اور سنیئے۔ طبرانی نے معجم کبیر و اوسط میں حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک ارشاد نبویؐ یوں روایت کیا ہے:

ان اللہ یحب المومن المحترف

اللہ تعالیٰ حرفت والے مومن کو دوست رکھتا ہے

صحیح مسلم میں ایک ارشاد نبویؐ حضرت ابوہریرہ سے یوں مروی ہے:

کان زکریا نجارا

حضرت زکریا بڑھئی تھے۔

کچھ اور سنیئے۔ طبرانی اپنی اوسط میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی زبانی یہ ارشاد نبویؐ روایت کرتے ہیں:

من امسی کالا من عمل یدیہ امسی مغفورا لہ

جو دن بھر کی کمائی کے بعد تھکا ماندہ رات گذارے اس کی وہ رات مغفرت میں گذرے گی۔

ایک اور کسبِ معاش کے متعلق ارشاد نبویؐ سنیئے جو صحیح مسلم، صحیح بخاری اور سنن ترمذی میں حضرت ابوہریرہ سے یوں مروی ہے:

ما من مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعا فیاکل منہ طیر او انسان او بھیمۃ الا کان لہ بہ صدقۃ

جو مسلمان کوئی درخت لگائے یا کھیتی اگائے اور اس میں سے کوئی پرندہ یا انسان یا چوپایہ کچھ کھالے تو یہ بھی اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔

اسی مضمون کے ارشاد نبویؐ کو حضرت حسن بن علی کی زبان سے طبرانی کی کبیر میں یوں ادا کیا گیا ہے:

النخل والشجر برکۃ علی اھلہ وعلی عقبھم بعدھم اذا کانوا للہ شاکرین

"کھجور اور دوسرے درخت بھی بونے والے کے موجودہ اہل وعیال کے لیے بھی باعث برکت ہیں اور بعد والوں کے لیے بھی بشرطیکہ وہ شکر الٰہی بھی ادا کرتے رہیں۔"

خاص طور پر تجارت کے بارے میں بھی ایک ارشاد نبوی سنیئے جو حضرت ابو سعیدؓ سے ترمذی نے روایت کیا ہے:

التاجر الامین الصدوق مع النبیین والصدیقین والشھداء

"امانت دار اور سچے تاجر کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔"

ابن ماجہ میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے مسجد نبویؐ کی تعمیر کے لیے کچی اینٹیں تیار کیں۔ حضورؐ خود بھی ان مقدس معماروں میں شریک تھے اور اینٹوں کے لیے مٹی اٹھا کر لاتے۔ حضر موت کا ایک شخص بہت عمدگی سے مٹی گوندھتا تھا۔ حضورؐ نے اس کا کام دیکھ کر فرمایا:

رحم اللہ امرءًا احسن صنعتہ وقال لہ الزم انت ھذا الشغل فانی اراک تحسنہ۔

"خدا اس شخص پر رحمت نازل کرے جو کسی صنعت میں کمال پیدا کرے۔ پھر اس شخص سے فرمایا کہ تم یہی کام کرو کیوں کہ اس میں تمھیں اچھا ملکہ ہے۔"

کیا اس کے بعد بھی کچھ کہنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ دستکاری و حرفت، کھیتی، شجرکاری، تجارت اور کسب معاش کے تمام جائز ذرائع ان ارشادات میں آجاتے ہیں۔ اور انہی ذرائع کو خیر، طیب، خدا کا پسندیدہ، ذریعۂ مغفرت، صدقہ (کارِ خیر) باعثِ برکت اور انبیا وصدیقین وشہدا کی معیت کا سبب وغیرہ بتایا گیا ہے۔ اس کے بعد اور کون سی چیز باقی رہ جاتی ہے جس سے کسبِ معاش کا درجہ ومقام بیان کیا جا سکے۔

ایک اور روایت سنیئے۔ اسد الغابہ کی روایت ہے کہ ایک صحابی (غالباً حضرت جابرؓ انصاری) نے حضورؐ سے مصافحہ کیا تو ان کی ہتھیلی کچھ کھردری اور داغدار نظر آئی۔ حضورؐ نے پوچھا کہ: یہ داغ یا گٹے کیسے ہیں؟ عرض کیا: یارسول اللہ! میں نعل بندی کا کام کرتا ہوں اور اسی سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ یہ سُن کر حضورؐ نے

ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور فرمایا: ھذہ ید لا تمسھا النار یہ وہ ہاتھ ہے جسے جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔ اللہ اللہ آپ نے کسبِ حلال کا درجہ ومقام دیکھا؟ آج کل کے بے کار شیوخ اپنے معتقدوں سے ہاتھ پاؤں چمواتے ہیں اور وہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک اُمتی کا ہاتھ چوم کر جہنم سے محفوظ رہنے کی بشارت دیتے ہیں صرف اس لیے کہ وہ ہنرمند تھا اور اپنی محنت کی روزی کماتا تھا۔ ایمان کی عینک لگا کر دیکھیے جس پیشے کو ہم حقیر سمجھتے ہیں حضورؐ نے اسے کتنا بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ لیکن ہماری نگاہوں میں محنت کی روزی اور کسبِ معاش پر بے کاری اور دوسروں کے آسرے جینے کو ترجیح حاصل ہے۔ انسانی و اسلامی قدریں کتنی بدل گئی ہیں؟

اکابر امت اور کسبِ معاش

علاوہ ان تمام باتوں کے ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کپڑے کی تجارت کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ اینٹیں تھاپتے ہیں اور رہٹ چلا کر پیٹ پالتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ، حضرت عبد الرحمان بن عوف، حضرت طلحہؓ وغیرہم تجارتی کاروبار کرتے ہیں اور یہ سب عشرہ مبشرہ میں جگہ پاتے ہیں۔

غرض حضورؐ اور صحابہ کی ساری زندگی اس حقیقت پر گواہ ہے کہ کسبِ حلال کا ہر پیشہ صرف جائز نہیں، ضروری بھی ہے اور محض ضروری نہیں بلکہ عین عبادت ہے۔ بے کاری کوئی عبادت نہیں، مفت خوری کوئی نیکی نہیں اور پیشہ کوئی ذلیل نہیں۔ بلکہ اسلامی سوسائٹی نے تو اس احساس کمتری کو بھی مٹانے کی کوشش کی ہے جو کسی حلال پیشے کے اختیار کرنے سے پیدا ہو سکتی ہے۔ ہماری زبان میں بھنگی کو جمعدار، حلال خور اور مہتر کہتے ہیں۔ نائی کو خلیفہ اور راجہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ کپڑا بُننے والے کے لیے نوربافت یا مومن کے الفاظ ہیں۔ پھر ہمارے اکابر کے ناموں کے ساتھ ان کے آبائی پیشوں کا ذکر کبھی معیوب نہیں سمجھا گیا بلکہ فخر کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں۔ حلوائی، غزالی، بنّاء، خلّال، وراق، جلاد، حداد، لبان، نجّار، نداف، قزاز وغیرہ سارے الفاظ پیشے کے اظہار کے لیے ہیں اور یہ بڑی بڑی اہم شخصیتوں کے ناموں کا تعارفی جز ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کہاں سے خدا کے چہیتے بن کر آگئے ہیں جو ہمارے لیے امام، خطیب، مدرس، عالم بننے کے بعد کسب معاش کے لیے کوئی پیشہ اختیار کرنا باعثِ ذلت ہوگیا۔ ہمارا یقین ہے اگر کوئی امام اپنی محنت سے تھوڑی بہت حلال روزی کمائے اور امامت وخطابت وافتا وغیرہ کا کام فی سبیل اللہ کرے تو اس کا اعزاز اللہ کی نظروں میں بھی زیادہ ہوگا اور اس کے مقتدیوں میں بھی اس کا وقار اور زیادہ بلند ہوگا۔

اگر کوئی شخص اپنی ایمانی خودی کے پامال نہ ہونے کا یقین رکھتا ہو تو وہ تنخواہ یا الاؤنس لے کر بھی امامت وخطابت کر سکتا ہے لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو امامت وخطابت ترک کر کے کوئی دوسرا ذریعۂ معاش تلاش کرنا بہتر ہے۔

ائمہ کیسے ہونے چاہئیں

بہت سے ائمہ وخطبا کے لیے بالادست انجمنوں یا محکموں کی طرف سے وظائف مقرر ہیں لیکن حکومت کے لیے اس سے زیادہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ مساجد کے لیے صحیح ائمہ تیار کرے۔ وہ ایسے ائمہ ہوں جو:

۱۔ فرقہ پرست نہ ہوں، وسیع القلب، روادار، خوش مزاج اور خوددار ہوں۔

۲۔ کچھ دنیا سے بھی واقف ہوں اور وسیع النظر اہل علم ہوں۔

۳۔ بلند اخلاق کے مالک ہوں اور اپنے کردار سے اس ذہنیت کو بدل دیں کہ اپنی محنت کی روزی حاصل کرنا ذلیل کام ہے۔

۴۔ روزگار کے لیے انھیں کوئی ایسا ہنر سکھا دیا جائے جس پر وہ قناعت کریں اور مقتدیوں کے سہارے جینے کا خیال تک نہ لائیں۔

۵۔ ائمہ کی اگر اپنی زمین ہو تو وہ خود کاشت کریں۔ دوسرے کی زمین پر اجرۃً کاشت کر سکتے ہیں۔ امامت کے معاوضے پر ہرگز کسی دوسرے کی زمین پر کاشت نہ کریں۔

ائمہ کے لیے ہم نے جو شرائط بیان کی ہیں، وہ دراصل ہر مسلمان کے لیے ضروری ہیں۔ ان میں سے ہر ایک شرط کی تشریح کے لیے مفصل مضمون درکار ہے لیکن اس وقت اس کا موقع نہیں۔ تاہم تھوڑی سی تشریح سُن لیجیے۔

۱۔ فرقہ پرستی از روئے قرآن کفر بھی ہے اور شرک بھی۔ قرآنی ارشاد ہے کہ:

ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شیٔ

"جو لوگ اپنے دین میں تفریق پیدا کر کے گروہ گروہ ہو گئے، اے رسول تیرا ان سے کچھ واسطہ نہیں۔"

نیز ارشاد ہوا:

. . . . ولا تکونوا من المشرکین ۝ من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا۔

"مسلمانو! تم مشرکوں میں نہ ہو جانا یعنی ان لوگوں میں جو دینی فرقے بندی پیدا کر کے گروہوں میں بٹ گئے۔"

مشکل یہ ہے کہ ہمارا کوئی "دینی مدرسہ" ایسا نہیں جو کسی مخصوص مدرسۂ فکر کی نمائندگی نہ کرتا ہو اور کوئی خاص

فرقہ تیار نہ کرتا ہو۔ سارے مذہبی جھگڑے اور سر پھٹول اسی غلط تربیت کی پیداوار ہیں۔ ہماری دانست میں ہر مسلمان کو عموماً اور ائمہ وخطبا کو خصوصاً اس سے بلند رہنا چاہیے کسی خاص مکتبِ فکر کی طرف رجحان تو ایک فطری بات ہے لیکن اس میں اتنی شدت اختیار کرنا اور دوسرے فرقوں کو گمراہ یا کافر ثابت کرنے کے درپے رہنا تفریق بین المسلمین کے سوا اور کیا نتیجہ پیدا کر سکتا ہے؟ کسی مسلک کو قبول کرنے کے یہ معنی نہیں کہ اس مسلک کی ہر بات الف سے ی تک برحق ہے اور دوسرے مسلک کی ہر بات شروع سے آخر تک باطل ہے۔ اس کے علاوہ متفق علیہ باتیں کچھ کم ہیں جو ہم اختلافی باتوں پر خطبے دیا کریں؟ اس معاملے میں ائمہ وخطبا کو بڑا ہی وسیع القلب اور روادار ہونا چاہیئے۔ تمام باتوں میں ان کو خودداری کے ساتھ خوش مزاج ہونا چاہیے تاکہ اظہارِ حق سے کسی کی دل آزاری نہ ہو اور اس میں جذبۂ مخالفت پیدا نہ ہو۔

۲- ائمہ وخطبا اپنے اندر کشش اسی صورت میں پیدا کر سکتے ہیں جب وہ دوسروں کی دلچسپی کے علوم وفنون میں بھی کچھ نہ کچھ دخل رکھتے ہوں۔ تاریخ، جغرافیہ، سائنس، طب، ہائی جین، اخباری معلومات، جدید تحریکات و تصورات، نئے رجحانات، تفریحات، ادب اور دوسری علمی سرمایہ رکھنے والی زبانوں سے بھی واقفیت رکھتے ہوں اس کے بغیر ان میں وہ روشن خیالی نہیں پیدا ہو سکتی جو عوامی کشش کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

۳- عوام کے غلط تصورات کو کوئی فتنہ پیدا کیے بغیر تدریجی رفتار سے بدلنا چاہیے۔ دفعتہً بدلنے کی کوشش سے بعض فتنے پیدا ہو سکتے ہیں۔ ہمارے عوام میں کسبِ حلال کے بہت سے طریقے ذلیل سمجھے جاتے ہیں ان کے اس ذہن کو بدلنے کے لیے بڑے اونچے اخلاق وکردار اور صبر وتحمل کی ضرورت ہے۔ وہ امام اور خطیب بڑا کامیاب اور لائق صد تحسین ہوگا جو کوئی ہنر یا پیشہ اختیار کر کے اپنی محنت کی روٹی پر قناعت کرے اور عوام میں یہ حقیقت ذہن نشین کر دے کہ یہ انداز زیست اس سے کہیں بہتر و اعلیٰ ہے کہ امام وخطیب دوسروں کی تنخواہ کا محتاج رہے اور اپنی خودی کو چند ٹکوں کے عوض فروخت کرنے کے امکانات پیدا ہوتے رہے۔

۴- ائمہ کو جہاں فرائض امامت وخطابت اور مسائل دینیہ کی تعلیم ہو وہاں ساتھ ساتھ کوئی ایسا ہنر بھی ضرور سکھانا چاہیے جس سے وہ خود اپنی محنت کی روزی کما سکیں اور دوسروں کے سہارے جینے کی بجائے خود کفیل ہوں بلکہ دوسروں کے لیے وہ مالی ایثار کر سکیں۔ مثلاً باغبانی، کاشتکاری، دواسازی، چھوٹی مشینوں کے ذریعے گھریلو دستکاری، کتابت، ٹائپ، طلبہ کی تعلیم وتدریس، چھوٹی موٹی تجارت مثلاً کتابوں یا اسٹیشنری کی تجارت۔ غرض ایسے بہت سے مشغلے ہیں جو ذریعۂ معاش بن سکتے ہیں اور امامت وخطابت کے لیے وقت بھی نکل سکتا ہے۔

۵۔ ائمہ اگر اس زمین پر کاشت کریں جو اُن کو امامت کے معاوضے کے طور پر دی گئی ہو تو ان کو ہمیشہ زمین کے چھن جانے کا دھڑکا لگا رہے گا اور ان کی خودداری کے پامال ہونے کا اندیشہ سر پر سوار رہے گا۔ لہٰذا یا تو اجرت پر کسی کی زمین میں کاشت کریں یا اگر اپنی زمین ہو تو اس میں کاشت کریں، اس سے ان کی خودی قائم رہے گی۔ یہ واضح رہے کہ کسی کی زمین میں اجرت پر کاشت تو کی جا سکتی ہے بٹائی پر نہیں، کیوں کہ کئی حدیثوں میں اسے سودی کاروبار قرار دیا گیا ہے۔ یہاں اس مسئلہ پر گفتگو کرنا مقصود نہیں۔ اگر اس میں کوئی جواز کا پہلو تلاش بھی کر لیا جائے تو ائمہ و خطبا کو اس سے پرہیز ہی لازم ہے۔

اجتہادی مسائل

از

مولانا محمد جعفر پھلواروی

شریعت نام ہے قانون کا جو ہر دور میں نیا روپ دھارتا ہے اور دین اس کی وہ روح ہے جو کبھی نہیں بدلتی۔ ہر دور کے لیے اجتہاد اور بصیرت کی ضرورت ہے جس میں بہت سے مسائل کا از سرِ نو جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ اس کتاب میں ایسے متعدد مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

قیمت : ۴.۵۰ روپے

ملنے کا پتہ

سیکرٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور